حالات حاضرہ

سیاسی حالات و واقعات پر تبصرہ

از
(جناب اسرار احمد صاحب آزاد ایڈیٹر جدوجہد)

پاکستان اور افغانستان کا وفاق

بعض اوقات بہت معمولی باتیں بڑے بڑے واقعات کا پیش خیمہ اور اہم ترین نتائج کی حامل ثابت ہوتی ہیں۔ گذشتہ ماہ اخبارات میں ایک چھوٹی اطلاع شائع ہوئی تھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ ــــــ پاکستان اور افغانستان کی حکومتوں کے مابین ان دونوں ممالک کا ایک وفاق بنانے کے مسئلہ پر گفت و شنید ہو رہی ہے اور اگرچہ چند روز کے بعد ہی اس خبر کی تردید بھی ہو گئی تھی اور سفیر افغانستان مامور کراچی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ــــــ مسئلہ پختونستان کے تصفیہ کے بغیر پاکستان اور افغانستان کے مابین حقیقی دوستی کا قیام ممکن نہیں ہو سکتا مگر پاکستان کے بعض ذمہ دار جرائد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ــــــ کراچی اور کابل کے مابین معتمد ممتاز مدبرین کی آمد و رفت جاری ہے اور دونوں ملکوں کے درمیان کسی اہم مسئلہ پر گفت و شنید ہو رہی ہے

بظاہر، مذکورہ بالا اطلاع ایک غیر اہم اطلاع تھی اور اب بیشتر اخبار بین حضرات اسے فراموش بھی کر چکے ہوں گے لیکن اگر اسے حالات حاضرہ کے دائرہ میں داخل کر کے اس پر غور کیا جائے تو نہ صرف اس کی اہمیت ہی واضح ہو جاتی ہے بلکہ یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ یہ خبر بالکل بے بنیاد نہیں ہے پاکستان اور امریکہ کے حالیہ معاہدہ کو کسی زاویہ نظر سے کیوں نہ دیکھا جائے لیکن اب وہ ایک حقیقت ثابتہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر ہند اور پاکستان کے تعلقات کے زاویہ نظر سے اس کے خوشگوار ردعمل کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس معاہدہ کا مقصد

ایشیا کے اس خطہ میں ان قوتوں کا استحکام ضرور ہے جو آج سوویٹ یونین کی سرکوبی کو اپنا اہم ترین فریضہ تصور کرتی ہیں اور جو اپنے اس عقیدہ کو چھپانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتیں۔

دوسرے الفاظ میں اس طرح کہنا اور سمجھنا چاہئے کہ آج ہمارا ہم سایہ ملک پاکستان براہ راست اس کے گروہ میں شامل ہو چکا ہے جو ہر قیمت پر اپنے حریف گروہ کو ہراساں کرنا، کمزور رکھنا اور موقع ملنے پر اس کا قلع قمع کر دینا چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ اجتماعی زندگی کے ضوابط کے مطابق اب امور داخلہ وخارجہ میں پاکستان جو قدم بھی اٹھائے گا وہ اجتماعی مقصد براری کے تصور سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اور انھیں تشریحات کی روشنی میں ہمیں مذکورہ بالا چھوٹی سی خبر کا تجزیہ بھی کرنا چاہئے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ افغانستان، سوویٹ یونین کی سرحد پر واقع ہے اور اس طرح سوویٹ یونین کو محصور کرنے کے عسکری منصوبہ میں ایشیا کے اس چھوٹے سے ملک کو برصغیر ہند کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اگر کسی نہ کسی طرح اس ملک کو اس گروہ کے ساتھ وابستہ کیا جا سکا جس کے ساتھ پاکستان وابستہ ہو چکا ہے تو پھر اس گروہ کے ارباب حل وعقد اس ملک کو بھی اپنے مذکورہ بالا عسکری منصوبہ کی تکمیل کے لئے استعمال کر سکیں گے

افغانستان کو امریکی گروہ میں شامل کرنے کی ایک صورت تو یہ تھی کہ امریکہ براہ راست افغانستان کو اپنے گروہ میں شمولیت کی دعوت دیتا لیکن اس صورت میں یہ حقیقت زیادہ واضح ہو جاتی کہ امریکہ سوویٹ یونین کو محصور اور اس کے خلاف جنگ برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے اور جو لوگ اب تک اس حقیقت کو نظرانداز کرتے رہے ہیں وہ بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہو جاتے اور اس طرح امریکہ کے رو بہ زوال اخلاقی اثر پر ایک اور کاری ضرب پڑتی اس لئے فی الحال وہ اس معاملہ میں براہ راست حصہ لینے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا اور دوسری صورت وہی ہے جو اس نے اختیار کی ہے۔ اس صورت کے مطابق دو ہم مذہب ممالک کے سیاسی اور انتظامی اتحاد پر بظاہر کسی کو کوئی اعتراض

بھی نہیں ہوسکتا، اس کے برعکس مسلمانان عالم کو مسلمانوں کی دو دریا ستوں کے اتحاد کے فریب میں مبتلا کر کے ان کی اخلاقی حمایت اور اعانت حاصل کی جاسکتی ہے اور یہ نکتہ اس مجوزہ وفاق میں بالادستی اور برتری پاکستان ہی کو حاصل ہوگی اس لئے وہ امریکہ اور پاکستان کے حالیہ معاہدہ یا مستقبل میں ہونے والے معاہدات کے اثرات سے بھی متاثر ہوسکے گا

مختصر یہ کہ ان سطور کے آغاز میں میں نے جس چھوٹی سی خبر کا ذکر کیا ہے اس کی تردید کے باوجود اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اگر مستقبل میں یہ خبر من وعن صحیح ثابت نہ بھی ہوئی تو یہ کسی دوسری شکل میں منظر عام پر ضرور آئے گی۔

کانفرنسیں اور کنونشن

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ بین اقوامی تعلقات روز بروز کشیدہ تر ہوتے جارہے ہیں اور آج دنیا کے سامنے اہم ترین سوال یہ ہے کہ اس کشیدگی کو کم کرنے اور اس کے نتیجہ میں برپا ہونے والی متوقع عالم گیر جنگ کو روکنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟

اس سلسلہ میں جنوبی مشرقی ایشیا کے پانچ ملکوں ــــ ہند، پاکستان، انڈونیشیا برما اور سیلون ــــ کے وزرا اعظم کی ایک کانفرنس کولمبو اور کانڈی میں منعقد ہوئی تھی، " پاکستان اور امریکہ کے فوجی معاہدہ کے خلاف نیز بین اقوامی کشیدگی کو کم کرنے سے متعلق "نیشنل کنونشن" کے نام سے ایک اجتماع دہلی میں منعقد کیا گیا تھا اور ایک کانفرنس جینوا میں ہو رہی ہے۔

دنیا کی ہر بات اسباب وعلل پر مبنی ہوا کرتی ہے، ہمارے عہد حاضر کی بین اقوامی کشیدگی جن اسباب وعلل پر مبنی ہے انھیں مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ ــــ دنیا کی چند بڑی طاقتیں موجودہ جمہوری دور کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے صدیوں پہلے کے اس نظام سیاست و معاشرت کو برقرار رکھنا چاہتی ہیں جسے آج کی سیاسی اصطلاح میں، نوآبادیاتی یا نیم نوآبادیاتی نظام کہا جاتا ہے اور جس کی بنیاد استحصال بالجبر پر قائم ہے،

لیکن عوام اس ظالمانہ نظام ریاست و معاشرہ سے تنگ آگئے ہیں وہ دنیا کے ہر گوشہ میں اس نظام کے خلاف صف بستہ ہو کر جدوجہد کر رہے ہیں اور ان کی اس جدوجہد کو ان کی اشتراکیت پسندی اور اشتراکیت دوستی سے تعبیر کر کے عہد حاضر کی تمام تر تباہ کن قوتوں کو ان کے مقابلہ میں جمع کیا جا رہا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ـــــ اگر نوآبادیات خواہ طاقتیں عہد حاضر کے جمہوری تقاضوں کو سمجھ کر اپنے اس مستعمرانہ نظریہ کو تبدیل کر دیں کمزور قوموں کی آزادی کو تسلیم کر لیں انھیں ان کے نظام ریاست و معاشرہ کے انتخاب میں آزاد چھوڑ دیں اور ہر قوم کو اقوام عالم کی صف میں اس کا جائز اور صحیح مقام دے دیا جائے تو بین اقوامی کشیدگی دور ہو سکتی ہے اور مستقبل میں جنگ کا کوئی امکان باقی نہیں رہ سکتا۔

جنوبی مشرقی ایشیا کے وزرا اعظم نے کولمبو کانفرنس میں حالات حاضرہ کا تجزیہ اسی زاویہ نظر سے کیا ہے اور اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایک جانب تو مغربی مستعمرین کو ایشیائی ممالک میں اپنی مستعمرانہ حکمت عملی سے دست بردار ہو جانا چاہئے اور دوسری طرف اس خطہ ارض کے سیاسی اختلافات کو دور نیز معاشی مسائل کو حل کرنے کے لئے اسی خطہ ارض کے رہنماؤں کو باہم گفت و شنید کرنی چاہئے اس کے علاوہ اس کانفرنس نے ہائڈروجن بم اور دوسرے تباہ کن اسلحہ کے ۔ ۔ ۔ تجربات اور استعمال کو ملتوی کر دینے اور عوامی چین کی حکومت کو ادارہ اقوام متحدہ میں اس کا جائز مقام دیئے جانے کے جو مطالبات کئے ہیں وہ بجائے خود موجودہ بین اقوامی کشیدگی کو دور کرنے کی ضمانت کی حیثیت رکھتے ہیں اور دہلی میں جو سہ روزہ کنونشن منعقد ہو چکا ہے اس کا مقصد بھی موجودہ بین اقوامی کشیدگی کو دور اور بقار امن کی مساعی کو تقویت پہنچانے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

یہاں اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ کولمبو کانفرنس اور دہلی کنونشن کو قومی اور بین اقوامی زاویہ نظر سے کتنی ہی اہمیت کیوں نہ دی جائے لیکن ان اجتماعات میں جتنی

قرار دادیں منظور کی گئی ہیں جنیوا کانفرنس کی کارروائیوں کے مقابلہ میں ان کی حیثیت سفارشات سے زیادہ نہیں اور اگرچہ جنیوا کانفرنس کے انعقاد کا منشا جنوبی مشرقی ایشیا کے اہم ترین مسائل کو حل کرنا ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر جنیوا کانفرنس ان مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو سکی تو اس سے دوسرے بین اقوامی تنازعات کے حل ہونے میں بہت زیادہ سہولتیں پیدا ہو جائیں گی اور اگر جنیوا کانفرنس نے کم از کم کولمبو کانفرنس کے فیصلوں کی حقیقی روح کو سمجھنے اور ان فیصلوں کے بین سطور جنوبی مشرقی ایشیا کے عوام کے حقیقی رجحانات کو سمجھنے کی کوشش کی تو اسے ان مسائل کے حل کرنے میں کوئی ایسی دشواری پیش نہ آئے گی جس پر قابو نہ پایا جا سکے۔

کولمبو کانفرنس کے فیصلوں اور جنیوا کانفرنس کے تعلق کے سلسلہ میں یہ بات بھی عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جنیوا کانفرنس کو ناکامیاب بنانے کی خواہ کتنی ہی کوششیں کیوں نہ کی جا رہی ہوں لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کولمبو کانفرنس کے بعد ایک جانب تو برطانیہ کے لئے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکمت عملی کی پوری پوری تائید اور حمایت ممکن نہیں ہو سکتی اور دوسرے خود امریکہ بھی کولمبو کانفرنس کے فیصلوں کو آسانی کے ساتھ نظر انداز نہیں کر سکتا اور اس طرح جنیوا کانفرنس کی فضا میں اعتدال کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔

بہر حال آج ... مستقبل کی تمام تر توقعات جنیوا کانفرنس کے ساتھ وابستہ ہو کر رہ گئی ہیں اور اگر یہ کانفرنس حصول مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی تو جنگ اور تصادم کے امکانات قوی تر ہو جائیں گے۔